© rasailojaraid.com

سیرت شیخین اور حضرت عثمانؓ

سعید احمد اکبرآبادی

یہ مقالہ ۴؍اپریل ۱۹۸۹ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی انجمن الاصلاح کے جلسہ میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں کی صدارت میں پڑھا گیا

حضرت عثمانؓ پر جہاں اور اعتراضات تھے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ نے سیرتِ شیخین کی پیروی نہیں کی، اس اعتراض کی بڑی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ شکایت خود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کی تھی، چنانچہ طبری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ معترضین کے کہنے پر حضرت علیؓ آپ سے گفتگو کرنے کے لئے کاشانۂ خلافت میں تشریف لائے اور گفتگو شروع کی۔ ابتداءً حضرت عثمانؓ کی بڑی تعریف کی، آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد آپ کا استحقاق خلافت ثابت کیا۔ اور پھر صاف لفظوں میں تو نہیں اشارۃً و کنایۃً اس امر کی شکایت کی کہ آپ نے اپنے دونوں پیشروؤں کا راستہ ترک کر دیا اور ایک نیا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ لوگوں میں بیزاری بڑھ رہی ہے، مبادا آپ قتل کر دیے جائیں حضرت عثمانؓ سمجھ گئے کہ یہ سب اشارے کس طرف ہیں! اس لئے اب دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت عثمان:- میں آپ سے پوچھتا ہوں، کیا مغیرہ بن شعبہ کو عمر فاروق نے گورنر نہیں بنایا تھا، درآنحالیکہ وہ ان کے عزیز نہ تھے۔

علی:- جی ہاں! میں جانتا ہوں۔

عثمان:- تو پھر اگر عبداللہ بن عامر کو میں نے گورنر بنا دیا تو میری قرابت کی وجہ سے اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے؟

علی:- لیکن عمر کا معاملہ یہ تھا کہ اگر مغیرہ سے کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ ان کے خلاف سخت کارروائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے، لیکن آپ نرم خو ہیں، ان سے درگذر کرتے ہیں۔

عثمان:۔ یہ سب میرے ہی نہیں، آپ کے بھی تو اعزا و اقربا ہیں۔

علی:۔ جی ہاں! ہیں۔ اور یہ نسبت آپ کے مجھ سے زیادہ قریب ہیں، لیکن دوسرے اُن سے افضل ہیں۔

عثمان:۔ آپ کو معلوم ہے کہ معاویہ پوری خلافتِ فاروقی میں گورنر رہے۔ اس کے بعد میں نے اُن کو گورنر بنایا تو کیا قصور کیا؟

علی:۔ جی ہاں! لیکن آپ جانتے ہیں کہ معاویہ حضرت عمر سے اتنا ڈرتے تھے کہ اُن کا غلام یرفہ بھی اُن سے اس درجہ نہیں ڈرتا تھا۔ لیکن آپ کے زمانہ میں معاویہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ آپ سے صلاح مشورہ بھی نہیں کرتے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کے حکم سے ہو رہا ہے، یہ باتیں آپ تک پہونچتی ہیں مگر آپ کوئی اقدام نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ نے یہ فرمایا اور فوراً مجلس سے روانہ ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ بھی اُن کے پیچھے پیچھے چلے، مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھکر خطبہ شروع کر دیا۔ اس میں آپ نے فرمایا "ہر امر کے لئے ایک آفت اور ہر قوم کے لئے ایک مصیبت ہوتی ہے، اس اُمت کی مصیبت وہ لوگ ہیں جو عیب جوئی اور طعنہ زنی کرتے ہیں۔ وہ دکھاتے کچھ ہیں اور چھپاتے کچھ ہیں، وہ تم سے ہمکلام ہوتے ہیں تم اُن سے سرگرم گفتگو ہوتے ہو۔ یاد رکھو تم مجھ پر اُن معاملات و مسائل کے بارہ میں بھی نکتہ چینی کرتے ہو جن کو مجھ سے پہلے عمر نے کیا تھا اور تم نے اُن کو قبول کر لیا تھا، فرق صرف اس قدر ہے کہ عمر سخت گیر اور تشدد پسند تھے، وہ اس سلسلہ میں اپنی زبان ہاتھ اور ہر سبب سے کام لیتے تھے، اس بنا پر وہ تم کو جو حکم بھی دیتے تم طوعاً کرہاً اس کی تعمیل کرتے تھے، اس کے برعکس میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نرم خو ہوں، حلیم و بردبار ہوں، اپنی زبان اور ہاتھوں کو تم سے باز رکھتا ہوں، اس بنا پر تم میرے خلاف جرأت آزمائی کرتے ہو۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے نکتہ چینوں اور شوریدہ سروں کو خبردار کیا ہے کہ وہ ان حرکات سے باز آجائیں ورنہ میں تادیبی کارروائی کرنے پر مجبور رہوں گا۔

یہ اگرچہ فتنہ سے متعلق بیسیوں منتشر اور پراگندہ روایات میں سے ایک روایت ہے جو دقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حوالہ سے منقول ہے، لیکن اس اعتبار سے بہت اہم اور جامع ہے کہ حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے اور حضرت عثمانؓ ان اعتراضات کا جو جواب دیتے تھے اُن سب کا خلاصہ اور روح اس روایت میں سمٹ کر آگئے ہیں، اس بنا پر اگر کوئی شخص دیگر شواہد کی روشنی میں اس روایت کی تشریح کرے تو فتنہ کی پوری داستان اس میں آجائیگی، لیکن ہم اس مقالہ میں اپنی گفتگو صرف اُس ایک امر تک محدود رکھیں گے جو اس کا موضوع ہے، یعنی سیرت شیخین اور حضرت عثمان۔

سب سے پہلے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے چھ حضرات کی جو مشاورتی کمیٹی مقرر فرمائی تھی، اس کمیٹی کے چار حضرات نے جب اپنے نام واپس لے لئے اور اب معاملہ صرف حضرات عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان دائر سائر ہو کر رہ گیا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دونوں سے الگ الگ گفتگو کی مگر سوال ایک ہی کیا اور وہ یہ کہ کیا آپ مجھ سے اس کا عہد کریں گے کہ اگر آپ خلیفہ منتخب ہو گئے تو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کے مطابق کام کریں گے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے تو بڑی سادگی سے فرمایا: نعم، لیکن طبری کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے جو جواب دیا اس کے الفاظ یہ تھے: "اللھم لا، ولکن علی جھدی من ذالک وطاقتی" حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کی طرف بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ صحیح روایات کے مطابق دوسرے نمبر پر حضرت علیؓ نے بیعت کی اور اب خلافت کا اعلان عام ہو گیا، اس واقعہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے جواب میں لا اور نعم کا جو فرق ہے اس سے بعض کوتاہ بینوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ دونوں جواب باہم متضاد ہیں، یعنی حضرت عثمان جس چیز کو قطعیت کے ساتھ کہہ رہے ہیں اور اس کا اقرار کر رہے ہیں حضرت علی اس کو قطعیت سے نہیں کہتے اور محتاط طریقہ پر اس کا انکار بھی نہیں کرتے، چنانچہ شرح نہج البلاغۃ میں ایک شر انگیز اور ہماری رائے میں بالکل غلط روایت بھی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن معاملہ میں سوال کرنے والے تھے عمرو بن العاص جو اموی تھے حضرت علی سے ملے اور کہا عبدالرحمٰن بن عوف قطعی جواب ناپسند کرتے ہیں، اور اس کے برعکس حضرت عثمان سے ملے تو ان سے کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ عبدالرحمٰن بن عوف قطعی جواب کو ہی ناپسند کرتے ہیں، اس بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسی لا و نعم کے اختلاف کے باعث حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کا انتخاب کرکے اُن کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرلی اور حضرت علی کو نظرانداز کردیا۔

لیکن حق یہ ہے کہ جہاں تک کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرتِ شیخین پر عمل پیرا ہونے کے سوال کا تعلق ہے، حضرت عثمان اور حضرت علی کے جواب میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کا مقصد و مدعا ایک ہی ہے، چنانچہ بلاذری کی انساب الاشراف جلد پنجم میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے جوابات کے الفاظ بھی یکساں ہیں، یعنی دونوں حضرات نے فرمایا کہ جی ہاں! ہم کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرتِ شیخین پر اپنے علم کے مطابق مقدور بھر عمل کریں گے، ظاہر ہے اس سوال کے جواب میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے صحابی کا بھی جواب یہی ہو سکتا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ناممکن تھا، یہ کیوں؟ اس سوال کا جواب قدرے تفصیل طلب ہے، جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:۔

پہلے آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لیجئے، ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جو آیات اور حدیثیں احکام و معاملات اور اخلاق سے متعلق ہیں اُن میں کتنی ہی آیتیں اور حدیثیں ایسی ہیں جن کی تفسیر و تشریح، بلکہ روایت حدیث اور پھر ان سب سے استنباط و استخراج مسائل و احکام میں صحابہؓ کرام باہم مختلف ہیں، یہی وہ اختلافات ہیں جن کی اساس پر مذاہب و مسالکِ فقہیہ میں گوناگون اختلافات پیدا ہوئے، ان اختلافات سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان کے علاوہ علمائے متقدمین و متاخرین نے اس موضوع پر نہایت جامع اور مدلل کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں صحابہؓ کرام کے اختلافات اور ان کے وجوہ و اسباب سے سیر حاصل بحث کی ہے، یہاں ان اختلافات کو یا اُن کی کسی نظیر یا جزئیہ کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں، پس جب صورتِ حال یہ ہے تو جب کبھی کسی صحابی سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کا سوال کیا جائے گا۔ اس کا جواب لامحالہ یہی ہوگا کہ میں اپنے علم کے مطابق عمل کروں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ گیا حضرت علی کے جواب کا دوسرا جزء یعنی "ولکن علی جهدی من ذالک وطاقتی" تو جیساکہ ہم نے ابھی کہا، بلاذری کی روایت کے مطابق اول تو یہ الفاظ خود حضرت عثمان نے بھی فرمائے ہیں لیکن اگر، جیساکہ طبری میں ہے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ حضرت عثمان کی زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں ہوئے تب بھی یہ ماننا ہوگا کہ یہ الفاظ معہود فی الذہن تھے اور ان کی مراد یہ تھی، کیونکہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا متقی اور متورع ہو، بہرحال وہ انسان ہے، اور اس بنا پر اپنی بشری کمزوریوں اور فطری نقائص اور کوتاہیوں کا ہمہ وقت استحضار ضروری ہے، صحابۂ کرام کا کیا ذکر، خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ لیکن عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے۔ جو چیز میری استطاعت سے باہر ہے، اس پر مواخذہ نہ کر، قرآن مجید میں ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین" کی دعا ہر انسان کے لئے ہے، خواہ وہ نبی ہو یا ولی، صحابی ہو یا تابعی، قطب ہو یا ابدال، اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے وہ الفاظ ارشاد فرمائے یا نہیں بہرحال ان کا مطلب یہی تھا کہ مقدور بھر قرآن وحدیث پر عمل پیرا رہوں گا:

اب آئیے اس پر غور کریں کہ سیرتِ شیخین پر عمل کرنے سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی مراد کیا تھی؟

اس سلسلہ میں اولاً یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سیرتِ شیخین اصلاً اور بالذات نہیں بلکہ صرف تبعاً اور بالعرض ہی مقصود و مطلوب ہو سکتی ہے، یعنی چونکہ سیرتِ شیخین قرآن وسنت کی تعلیمات کا آئینہ اور ان کا نمونہ و مظہر ہیں اس بنا پر جس طرح ایک عدالت خفیفہ عدالتِ عالیہ کے کسی فیصلہ کو نظیر بنا کر اس پر عمل کرتی ہے لیکن عدالتِ عالیہ خود اپنے فیصلہ میں آزاد نہیں بلکہ خود دستور کی پابند ہے، اسی طرح سیرتِ شیخین بعد میں آنے والوں کے لئے ایک نظیر کا کام ضرور کرتی ہے لیکن وہ خود آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ دستورِ الٰہی کی جو قرآن وسنت کی شکل میں محفوظ ہے پابند ہے۔ اس بنا پر سیرتِ شیخین پر عمل کرنے کا حاصل قرآن وسنت پر ہی عمل کرنا ہوگا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت پر عمل کی جو تشریح ہم نے اوپر کی ہے اُس کا اطلاق یہاں بھی علی وجہ التخصص والتعیین ہوگا۔

ثانیاً سیرتِ شیخین پر عمل کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ جو کام اور جو سیاسی یا مذہبی اقدامات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخین نے کیے ہیں بعینہٖ وہی کام اور وہی اقدامات حضرت عثمانؓ بھی کریں اور ان سے سرمو انحراف یا تجاوز نہ کریں، کیوں کہ خود حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں متعدد ایسے کام کئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیے۔ مثلاً جمع و تدوینِ قرآن کا کام عہد نبوی میں انجام پذیر نہیں ہوا، عہد صدیقی میں ہوا اور چوں کہ یہ کام عہد نبوی میں نہیں ہو سکتا تھا اس بنا پر جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کی تجویز پیش کی تو حضرت ابوبکرؓ کو اس کے قبول کرنے میں پس و پیش تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے یقین دلایا کہ یہ احداث فی الدین نہیں ہے بلکہ دین کے حفظ و بقا کے لئے نہایت ضروری اور اہم کام ہے تو حضرت ابوبکرؓ بمجبوری اس میں آمادہ ہوئے اور آپ نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اسی طرح عہدِ نبوی میں مؤلفۃ القلوب کو مال غنیمت اور زکوٰۃ سے حصہ ملتا تھا حضرت ابوبکرؓ اسے جاری رکھنا چاہتے تھے، لیکن جیسا کہ عُیَیْنَۃ بن حصن الفزاری اور عباس بن مرداس السلمی کے واقعہ سے جو اصابہ میں مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت عمرؓ اس کے مخالف تھے اور فرماتے تھے کہ اب جبکہ اسلام قوی اور مضبوط ہو گیا ہے اسے تالیف قلب کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خلافتِ فاروقی کا جائزہ لیجیے تو آپ کو اس میں تفردات و اجتہاداتِ حضرت عمرؓ کا ایک طویل سلسلہ نظر آئے گا جن کا عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں یا تو سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا یا تھا تو کسی اور شکل میں تھا، پس جب احکام اور مسائل و معاملات کے باب میں عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں من کل الوجوہ مماثلت اور یک رنگی نہیں ہے۔ بلکہ اُن میں اضافہ اور حسبِ مصالح شرعیہ تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہا ہے تو پھر سیرتِ شیخین کی پیروی کا مطلب یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہر معاملہ میں صرف وہی کیا جائے جو شیخین کے عہد میں کیا جاتا تھا۔

ثالثاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے کہ اسلامی معاشرہ ترقی پذیر ہے، اس کی ضرورتیں اور تقاضے روز افزوں اور گوناگوں ہیں، اور زمانہ کے ساتھ نئے نئے حالات پیدا ہوں گے اور ان کے لئے نئے احکام اور نئے فیصلے پیدا کرنے ہوں گے۔ مثلاً حضرت عمرؓ ایک سیاسی مصلحت کے باعث اکابر مہاجرین کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے، جس کے باعث یہ حضرات گھٹن محسوس کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یہ ممانعت اٹھا دی، اسی طرح دولت میں اضافہ ہوا تو حضرت عمر کے عہد میں عطیات مقرر تھے حضرت عثمان نے ان پر فی کس سو درہم کا اضافہ کیا، حضرت عمر بحری جنگ سے ڈرتے تھے اور امیر معاویہ کے بار بار اصرار کے باوجود اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، لیکن حضرت عثمان نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ ایک نہایت قوی بحری بیڑہ تیار کیا جس نے امیر معاویہ اور عبداللہ بن ابی سرح کی امیرالبحری میں بحر روم میں رومن امپائر کے پرخچے اڑا دیئے - اور اسلام کی شوکت و سطوت کا پرچم بحر و بر میں اڑنے لگا اسی طرح حضرت عمر نے مسجد نبوی میں توسیع کی، لیکن حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو آبادی میں ترقی کے باعث مسجد نبوی میں بہت زیادہ توسیع کی اور ساتھ ہی اس کی تزئین کاری کی -

علاوہ ازیں اختلاف کبھی اس لئے بھی ہوتا ہے کہ اسلام کے احکام میں بڑا تنوع اور توسع ہے مثلاً صبر کی دو قسمیں ہیں :- ۱ الصبر علی مکروہٍ جیسے آلام و شدائد پر جزع فزع نہ کرنا - اور دوسری قسم ہے :- الصبر عن مکروہٍ - یعنی لذائذ حیات اور مستلامات عالم سے دامن کش رہنا - حدیث میں ارشاد ہے :- حفت الجنۃ بالمکارہ - اسلام میں صبر کی یہ دونوں قسمیں اعلیٰ فضیلت ہیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب ہے - لیکن جو مرتبہ و مقام صبر کا ہے اس سے کسی طرح کم شکر کا مقام نہیں ہے، یعنی اگر ایک شخص دولتمند ہے اور اس بنا پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے کے ساتھ وہ دولت کو اپنی اور اپنے متعلقین کی راحت رسانی، اعلیٰ خوراک، عمدہ پوشاک اور بلند طریق رہائش پر خرچ کرتا ہے اور اس طرح وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے منشاء مراد کو پورا کرتا ہے لاریب یہ شخص شکر کے مقام پر فائز ہوگا - اور اس کا مرتبہ عنداللہ پہلے شخص سے کم نہ ہوگا جس کا شمار صابرین میں ہے، ایک اور مثال لیجئے - ایک شخص صبر کے مقام پر فائز ہونے کے باعث صرف اپنے نفس کو ہی جہد و تعب میں مبتلا نہیں رکھتا بلکہ موضع تہمت سے بچنے اور عوام کے اعتماد کو بحال رکھنے کی غرض سے اپنے اہل و عیال اور اعزا و اقربا کو بھی اسی قسم کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے اور سماجی زندگی میں ان کو وہ فوائد و منافع بہم نہیں پہونچاتا جنہیں وہ اپنی پوزیشن اور اپنے وسائل و ذرائع کے باعث ان کے لئے فراہم کر سکتا تھا - بے شبہ اس احتیاط، تقویٰ و ورع اور ایثار و قربانی کے باعث اللہ کے ہاں اس شخص کا اجر اجر و ثواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ مقربین بارگاہ ایزدی میں شامل ہونے کا مستحق ہے، لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسرا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ عمیم و عظیم سے دولت و ثروتِ بیکراں سے نوازا ہے اور یہ مقامِ شکر پر فائز ہونے کے باعث خود اس دولت سے متمتع ہوتا ہے، اور قرآن مجید میں ذوی القربیٰ کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں اور احادیث میں صلہ رحمی کی جا بجا جو تاکید آئی ہے ان کے پیشِ نظر یہ شخص اپنی دولت و ثروت سے اہل و عیال اور اعزا و اقربا کو بھی متمتع کرتا ہے۔ تو اب آپ اس شخص کو کیا کہیں گے؟ بے شبہ اسلام کی تعلیمات کی رو سے اس شخص کا بھی اللہ کے ہاں عظیم اجر و ثواب ہے اور یہ بھی فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ کا مصداق ہے۔

کیا آپ یہ کہیں گے کہ ان دونوں شخصوں میں تضاد ہے؟ منطقی اعتبار سے کیسا ہی تضاد ہو لیکن اسلام کی ہمہ جہتی تعلیمات کے اعتبار سے ان میں ہرگز تضاد نہیں ہے، بلکہ حقیقت ایک ہی ہے اور اس کے رُخ دو ہیں۔ اور جس طرح گلہائے رنگ رنگ کا وجود سرمایۂ زینت و رونق چمن ہوتا ہے اسی طرح افراد و اشخاص کے اس حسین و جمیل تنوع سے سوسائٹی میں نشو و نما اور ارتقا پیدا ہوتا ہے۔ زہیر بن ابی سلمیٰ نے اس شعر میں اسی تنوع کی محاکات کی ہے،

علی مکثریھم حق من یعتریھم   وعند المقلین السماحۃ والبذال

اب حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی کے ذاتی اور شخصی کردار کا تقابلی مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مخالفین اپنی تنگ نظری سے دونوں میں تضاد محسوس کرتے اور اس لئے امیر المومنین عثمان ذوالنورین پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں تھا، حضرت عثمان کی رفاہیت اور اس کے مظاہر مخالفین کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے تھے، لیکن حضرت عثمان ہمیشہ سے دولتمند تھے اور اُن کی زندگی کا جو طور طریق اب تھا وہ عہد نبوت میں تھا، غزوۂ تبوک کے موقع پر جب انھوں نے لاکھوں کی رقم سے جیش عسرہ کی مدد کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف بار بار ہاتھ اُٹھا کر اُن کے لئے دعائیں کی اس وقت یہ مخالفین کہاں تھے؟ کسی کی زبان سے نہ نکلا کہ یہ اسراف ہے۔ اور ان اللہ لا یحب المسرفین — ممکن ہے میرے اس فقرہ پر آپ کو استغراب ہو لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ خود عہد نبوی میں بھی حضرت عثمان کے ایک خاص طریق معیشت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب خاص کے باعث بعض لوگ اُن سے عناد رکھتے تھے، چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے کہ ایک شخص کا جنازہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا۔

بہرحال حضرت عثمان شکر کے جس مقام رفیع پر فائز تھے، اب ذرا اس کا اظہار خود ان کی زبان حق ترجمان سے سنیئے:-

عمرو بن امیۃ الضمری سے روایت ہے کہتے ہیں:۔ میں حضرت عثمان کے دسترخوان پر وقتاً فوقتاً طعام شب کھاتا تھا۔ حضرت عثمان کو خزیرہ کا جو قریش کی محبوب اور لذیذ غذا تھی) بہت شوق تھا اور دسترخوان پر اس کا وجود لازمی تھا۔ یہ بکری کے پٹھہ کے گوشت، دودھ اور گھی سے تیار ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے امیرالمومنین سے کہا، یہ خزیرہ میں نے حضرت عمر کے ساتھ ان کے دسترخوان پر بھی کھایا ہے، مگر وہ ایسا لذیذ نہ تھا، اس میں گھی تو تھا مگر گوشت اور دودھ کا پتہ نہ تھا، حضرت عثمان نے فرمایا:۔ تم سچ کہتے ہو، عمر کی زندگی بڑی جفاکشی کی تھی، وہ قصداً اس قسم کی لذیذ غذاؤں سے اجتناب کرتے تھے، ان کے نقش قدم پر چلنا مشکل ہے، میرا معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ میں کھاتا ہوں اپنے مال سے کھاتا ہوں، مسلمانوں کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتا، میں قریش میں سب سے زیادہ دولتمند رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ عمدہ اور نرم غذا کھائی ہے، اور اب جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھ کو نرم غذا کی اور بھی ضرورت ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ اس بارے میں کسی کو مجھ پر کوئی اعتراض کرنے کا حق ہے۔

خزیرہ کی طرح درمک بھی عرب کی ایک اعلیٰ اور لذیذ غذا تھی جو گوشت سے تیار ہوتی تھی، حضرت عثمان کو یہ بھی مرغوب تھی، ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عثمان کے ساتھ روزہ افطار کیا اور درمک دیکھا تو حضرت عمر کی سادہ غذا کا تذکرہ کیا، یہ سُن کر حضرت عثمان نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے عمر جو کرتے تھے دوسرا کون ایسا کرنے کی ہمت کر سکتا ہے،

اسی طرح طبری کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عثمان نے معترضین کے جواب میں فرمایا، لوگ سمجھتے ہیں، میں اپنے اعزا و اقربا سے محبت کرتا ہوں اور ان پر روپیہ خرچ کرتا ہوں "ہاں! بیشک میں ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محبت کرتا ہوں، لیکن ان کی محبت کی وجہ سے کسی کے ساتھ بے انصافی اور جور کا روادار نہیں ہوتا اور یہاں میں ان کو عطیات دیتا ہوں لیکن یہ سب کچھ اپنی دولت سے دیتا ہوں، مسلمان کے مال میں سے تو اس کے لئے ایک حبہ بھی نہیں لیتا۔ پھر یہ کوئی آج کی بات نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں بھی ایسا ہی کرتا رہا ہوں، تو کیا آج میں بخیل اور روپیہ کا لالچی بن جاؤں؟ اسی سلسلہ میں ایک روایت میں فرمایا: معترضین کہتے ہیں: ابوبکر و عمر تو اعزا و اقربا پر ایسی داد و دہش نہیں کرتے تھے، میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر و عمر پر رحم فرمائے، وہ خود بھی سختی اٹھاتے اور اپنے اعزا و اقربا سے بھی ایسی ہی توقع رکھتے تھے اور اس پر اُن کو اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کی توقع تھی، لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ خدا نے مجھ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اس لئے میں اپنی ذات پر خرچ کرتا ہوں اور اپنی دولت سے اعزا و اقربا کی خدمت بھی کرتا ہوں اور اس پر اجر و ثواب کا امیدوار ہوں۔

حضرت عمر فاروق کا حال یہ تھا کہ نہ صرف خود جفاکشی کی زندگی کے عادی تھے، بلکہ طبری کے بیان کے مطابق عمال کو بھی انھوں نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ نرم لباس نہ پہنیں اور اعلیٰ قسم کے خچر کی سواری نہ لیں۔ لیکن حضرت عثمان کے ہاں اس قسم کی کوئی قید و بند نہیں تھی، اس فرق کی وجہ خود حضرت عثمان کے لفظوں میں یہ تھی کہ حضرت عمر کے مزاج میں شدت تھی اور آپ کے مزاج میں لینت و رافت تھی، حضرت عثمان نے مزاج کا یہ اختلاف متعدد مواقع پر بیان کیا ہے، چنانچہ اس سلسلہ کی ایک روایت اوپر بیان ہو چکی ہے، اس کے علاوہ ایک روایت جو سمہودی کی وفاء الوفا میں ہے، یہ ہے کہ جب مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کی غرض سے حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس مشاورت طلب کی، مروان بن الحکم نے کہا: اس معاملہ میں مشاورت کی ضرورت کیا ہے؟ حضرت عمر نے بھی مسجد نبوی میں توسیع کی تھی، مگر انہوں نے کسی سے مشورہ نہ کیا، حضرت عثمان نے فرمایا: مروان! خاموش! عمر کی بات یہ تھی کہ وہ سخت گیر و سخت مزاج تھے۔ لوگ ان سے ڈرتے تھے، اگر وہ لوگوں سے یہ کہتے کہ گوہ کے بھٹ میں گھس جاؤ تو اس میں بھی گھس جاتے اور کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا، لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ اَنَا لِنْتُ لَهُمْ فَاخْشَاهُمْ: اب سنیئے! اگرچہ حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ توسیع اور تزئین صحابہ کے اتفاق آرا اور ان کی رضامندی سے کی تھی، لیکن معترضین نے اس پر بھی چہ میگوئیاں اور طعنہ زنی شروع کر دی! حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: لوگو! تمہارا عجب حال ہے یہی کام عمر نے کیا تھا تو تم نے کچھ نہ کہا اور اسے قبول کر لیا۔ ان کے بعد اب میں نے بھی وہی کام کیا ہے تو تم شور و غل کرتے ہو، ہاں! اصل بات یہی ہے کہ عمر شدت پسند تھے، جو چاہتے کر گزرتے تھے، لیکن میں نرم خو ہوں، اس لئے تم بات بات پر میرے خلاف حرف گیری کرتے ہو۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خلیفۂ دوم کی مزاجی خصوصیت شدت تھی اور اشدھم فی امر اللہ ہونا ان کا امتیازی وصف تھا، اس کے بالمقابل لینت اور راحت و ملاطفت خلیفۂ سوم کی طبیعت کا جوہر اور نشانِ امتیاز تھا۔ لیکن ذرا غور کیجئے یہ لینت و رافت کس ذاتِ مقدس و گرامی کی خصوصیت تھی، قرآن مجید میں فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ اور حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ کس کی صفت خاص بیان کی گئی ہے! اس بنا پر مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے اگر اس وصف خاص میں حضرت عثمان سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مماثلت طبعی رکھتے تھے تو کیا کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ چونکہ حضرت عثمان میں حضرت عمر کی سی شدت نہیں تھی اس لئے وہ سیرت عمر یا سیرتِ شیخین کے پیرو نہیں تھے۔

اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان سے سیرتِ شیخین پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا تو ان کی مراد ہرگز یہ نہیں تھی کہ حضرت عثمان کی طبعی اور فطری خصوصیات اور ان کے مظاہر بھی وہی ہوں گے جو حضرات شیخین کی طبعی خصوصیات اور اُن کے مظاہر تھے۔ بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح کمالِ اخلاص و للہیت اور حزم و عزم کے ساتھ حضرات شیخین نے احکامِ شریعت کا اجراء، اقامتِ حدود، اور عدل و انصاف کے مقتضیات کی تکمیل کر کے خلافت کے فرائض و واجبات کی انجام دہی کی ہے اسی طرح حضرت عثمان بھی کریں گے اور اس جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہوں گے۔ اور آپ کے دوازدہ سالہ خلافت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے انہوں نے جو عہد و پیمان کیا تھا اسے کس طرح با حسن وجوہ پورا کر دیا ہے۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ اس کا شاہد عینی ہے کہ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں واضح اشارے موجود ہیں حضرت عثمان نے اپنے حبیب اور حبیبِ رب العالمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک پر اسرار گفتگو کے موقع پر جو عہد و پیمان کیا تھا اسے کس صبر و تحمل اور جانبازی و پامردی کے ساتھ نبھایا ہے کہ فتنوں اور بغاوتوں کے ہجوم میں امیر معاویہ کے سخت اصرار کے باوجود نہ جوار نبوی کو چھوڑنا گوارا فرمایا اور نہ اہل مدینہ کی راحت و آسائش کے خیال سے شام کی فوج کو مدینہ میں آنے کی اجازت عطا فرمائی، یہاں تک کہ باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ نوجوانان و نبرد آزمایان قریش بار بار جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں، مگر صرف اس خیال سے کہ فتنہ کا دروازہ ان کے ہاتھوں سے نہ کھلے جس کا اقرار وہ اپنے آقا و مولا سے کر چکے تھے انتہائی بیکسی کے عالم میں جان دے دی۔ لیکن تلوار اٹھانے کی اجازت کسی کو نہ دی، ایک وعدہ کا نباہ اور اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے! رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان اگرچہ طبعاً نرم خو تھے لیکن دین اور احکام شریعت میں مداہنت ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتے تھے" چنانچہ ولید بن عقبہ جو حضرت عثمان کے سوتیلے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے جب ان کے خلاف بادہ نوشی کا الزام ثابت ہوگیا تو حضرت عثمان نے ان کو معزول ہی نہیں کیا بلکہ اس جرم کی سزا بھی دی اور جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اجرائے حد کا معاملہ حضرت علی کے سپرد کیا، اسی طرح حمران بن ابان جو حضرت عثمان کا خادم خاص تھا، جب حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا کہ ولید بن عقبہ کے خلاف سرکاری طور پر جو تحقیق ہو رہی ہے حمران اپنے اثر و رسوخ سے کام لیکر اس میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے تو حضرت عثمان نے اس کو فوراً اپنی خدمت سے سبکدوش ہی نہیں کیا، بلکہ جلا وطن کر دیا۔ عمرو بن العاص جو بڑے رعب داب اور جاہ و جلال کے فاتح و گورنر مصر تھے جب حضرت عثمان کو یہ محسوس ہوا کہ مصر سے جتنا خراج وصول ہونا چاہیئے اتنا نہیں ہو رہا ہے تو پہلے تو انہوں نے گورنر مصر سے جواب طلبی کی، مگر جب ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو حضرت عثمان نے فوراً ان کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے گورنر مقرر ہوتے ہی مصر کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوگیا اور ایک عمرو بن العاص نہیں، بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص ابو موسیٰ اشعری، اور مغیرہ بن شعبہ اور سعید بن العاص وغیرہم جن کو ایڈمنسٹریشن کے نقطۂ نظر سے حضرت عثمان نے جب مناسب سمجھا گورنری سے معزول اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو گورنر مقرر کر دیا۔ معترضین کو اس پر بھی سخت اعتراض تھا۔ اور اس اعتراض کے دو جزو تھے، ایک یہ کہ حضرت عثمان اکابر صحابہ کو ان کے عہدہ سے معزول

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن کی جگہ نوجوانوں کو جو تجربہ کار نہیں ہیں اور اُن کے خاندان بنی اُمیہ سے تعلق رکھتے ہیں نہایت اہم عہدوں اور مناصب پر مقرر کرتے ہیں ۔ اب آئیے اعتراض کے ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں ۔

امرِ اول کی نسبت گذارش یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح، تقویٰ و طہارت اور طویل صحبت و معیت نبوی کے باعث اکابر مہاجرین و صحابہ کا جو مرتبہ و مقام تھا ۔ حضرت عثمان سے زیادہ اُس سے اور کون ـــــ باخبر ہو سکتا تھا ۔ لیکن ایڈمنسٹریشن اور نظم و نسق حکومت کے تقاضے اور اس کی مصلحتیں امر دیگر ہیں، اس بنا پر ضروری نہیں کہ جو شخص اعمالِ صالحہ اور مکارمِ اخلاق کے اعتبار سے ایک مرتبہ و مقام پر فائز ہو بحیثیت گورنر یا قائد فوج کے بھی اپنی منصبی ذمہ داریوں کو بھی باحسن وجوہ انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، چنانچہ عزل و نصب کی جو پالیسی حضرت عثمان نے اختیار کی آپ سے پہلے حضرت عمر بھی اس پالیسی پر عمل کر چکے تھے، حضرت خالد بن الولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری یہ سب وہ اکابر صحابہ ہیں جن کو حضرت عمر نے مناصب عالیہ پر فائز کیا اور پھر کچھ مدت کے بعد کسی سیاسی اور انتظامی مصلحت کے پیشِ نظر ان کو ان مناصب سے سبکدوش کر دیا، پس کل جو چیز حضرت عمر کے لئے روا تھی آج وہ حضرت عثمان کے لئے کیوں ناروا اور قابلِ اعتراض ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں حضرت عمر کا معمول یہ تھا کہ اگر کسی عامل کا طرزِ رہائش اس کی آمدنی سے زائد دیکھتے تھے تو اس کے املاک و جائداد میں مقاسمہ کر لیتے تھے، اس کے برخلاف حضرت عثمان کا معمول یہ تھا کہ کسی کو اگر معزول کرتے تھے تو اس کے مالی نقصان کی تلافی اپنے عطیات اور بخششوں کے ذریعہ کر دیتے تھے، طبری میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں ۔

اب رہا امرِ دوم ! اس کے بھی دو جز ہیں : ایک گورنروں کا نوجوان ہونا اور دوسرا ان کا اموی اور حضرت عثمان کا عزیز و قریب ہونا ۔ ان دونوں میں سے پہلے جزء کا جواب یہ ہے کہ نوجوانوں کو اہم ذمہ داریوں پر فائز کرنا حضرت عثمان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عہد نبوی اور عہد شیخین میں بھی اس کے متعدد واقعات پیش آ چکے تھے، اس کی چند مثالیں سن لیجئے ۔

(الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد عتاب بن اُسید کو جو بائیس برس کے اموی نوجوان

© rasailojaraid.com

تھے مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو جو ۸ھ میں مسلمان ہونے کے باعث جونیر تھے فوجوں کا کمانڈر اور سینیر صحابہ کا لیڈر بنایا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اٹھارہ انیس برس کے نوجوان اسامہ بن زید کو جو آپ کے مولیٰ تھے شرق اردن کی مہم کا کمانڈر انِ چیف مقرر فرمایا۔ حالانکہ اکابر مہاجرین و انصار اس فوج میں شامل تھے۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسامہ کی نوعمری کے باعث حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ اسامہ کے بدلے میں کسی سن رسیدہ کو فوج کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا جائے مگر حضرت ابوبکر نے یہ تجویز منظور نہیں کی، علاوہ ازیں باغیوں کی ایک جماعت کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکر صدیق نے جو ایک فوجی دستہ بھیجا تھا اس کے کمانڈر ابوجہل کے نوعمر فرزند عکرمہ تھے — پھر انس بن مالک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص اور صرف اکیس یا بائیس برس کے نوجوان تھے حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا۔

(ج) حضرت عمر فاروق کا حال بھی یہی تھا۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ کو نسبتاً کم عمر اور نوجوان ہونے کے باوجود شام کی فوجوں کا کمانڈر اور ان کے ایک بھائی عتبہ کو جو نوجوان تھے قبائل کنانہ کا عامل مقرر کیا۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے نزدیک کسی عہدہ پر تقرر کے لئے شرط صرف لیاقت و قابلیت اور اس کی استعداد و صلاحیت تھی، عمر، قبیلہ و خاندان اور قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کے فرق کا ہرگز کوئی اعتبار و لحاظ نہ تھا اور عدل جس کے معنی وضع الشيء في محله ہیں اس کا تقاضا بھی یہی ہے

اب رہا امر ثانی کا جزءِ دوم یعنی یہ کہ حضرت عثمان کے مقرر کردہ نئے گورنر اور عامل اموی اور امیر المؤمنین کے عزیز قریب تھے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایڈمنسٹریشن اور قیادت حرب کی جو استعداد اور صلاحیت بنو امیہ میں تھی وہ بنو ہاشم یا دوسرے قبائل کے لوگوں میں نہ تھی۔ چنانچہ شیخین کے دورِ خلافت میں بھی خالد بن ولید، عمرو بن العاص، امیر معاویہ، یزید بن ابی سفیان جو بنی امیہ کے معدن کے گوہر آبدار تھے الگ سے انگشت نمایاں اور ممتاز تھے۔ پھر اسلام کا وہ کونسا اصول ہے جس کے ماتحت ایک فرمانروا کے لئے اپنے کسی عزیز قریب کو کسی عہدہ کی اعلیٰ قابلیت و صلاحیت کے باوصف اس عہدہ و منصب پر فائز کرنا ناجائز ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممنوع ہو اگر ممنوع ہے تو صحیح بخاری کی حدیث صِلْ اخاکَ ظالمًا او مظلومًا کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی عہدہ پر تقرر کے لئے صرف قابلیت اور صلاحیت شرط ہے اور سن و سال اور اسلام میں قدامت و حدوث کا فرق نہیں اسی طرح یگانہ اور بیگانہ، عزیز اور غیر عزیز کا فرق و امتیاز نہیں۔ اب ہم اس نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے خاندان بنی امیہ کے جن نوجوانوں کو گورنر یا امیر جیش مقرر کیا تھا ان کے زندہ جاوید اور عظیم الشان کارنامے متعلقہ عہدوں کے لئے ان کے استحقاق کی دلیل صحیح ہیں۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے بحری بیڑہ کا امیر البحر تھا اس نے مصر سے کبھی بری اور کبھی بحری سفر مغرب کی سمت شروع کیا تو لیبیا، ٹیونس، الجزائر اور مراکو کو فتح کرتا ہوا جبر الٹر بدر گا۔ ایک دوسرے اموی نوجوان عبد اللہ بن عامر بن کریز نے مشرق میں تاخت شروع کی تو فارستان، خوزستان، ترکستان و خراسان پر فتح کا پرچم اڑاتا ہوا کابل پہونچکر دم لیا۔ کیا ان کارناموں کو تاریخ کا حافظہ کبھی فراموش کر سکتا ہے۔

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما۔

علاوہ ازیں عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اگرچہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے لیکن ان کی لیاقت وقابلیت کے باعث حضرت عمر فاروق نے خود سنہ ۲۳ھ میں مالیاتِ مصر کا عہدہ تفویض کیا تھا عہدِ فاروقی اور پھر عہدِ عثمانی میں جب تک یہ مصر میں رہے لوگوں کے ممدوح رہے۔ کتاب الولاۃ والقضاۃ کا مصنف کندی لکھتا ہے:۔ ومکث عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح امیرًا علی مصر فی ولایۃ عثمان کلھا محمودًا فی ولایتہ، وغزا ثلاث غزوات کلھا لھا شان وذکر۔

اب عبد اللہ بن عامر بن کریز کو دیکھئے جو حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی تھے اور آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے عزل کے بعد ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، اس وقت یہ پچیس [25] برس کے نوجوان تھے جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے، عبد اللہ بن عامر بہی شجاع اور عظیم قائد حرب ہی نہ تھے بلکہ نہایت سخی فیاض طبع اور اعلیٰ فضائل و کمالات کے حامل تھے گورنر ہونے سے قبل تجارت کرتے تھے، اس لئے دولتمند تھے اور ان کا شمار اجواد عرب میں ہوتا تھا۔ انھوں نے گورنری کے زمانہ میں فتوحات کے علاوہ جن [illegible] بڑے بڑے کام کیے۔ جگہ جگہ مہمان خانے بنائے۔ نہریں [illegible] تعمیر کے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فہرست خاصی طویل ہے، ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں انھیں شمار کیا ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے وَلَہٗ فِی الْاَرْضِ آثَارٌ کَثِیْرَۃٌ۔ ان وجوہ سے ہر شخص اُن کی تعریف کرتا اور وہ عوام و خواص سب کے ممدوح و محبوب تھے،

ایک تیسرے اموی نوجوان جن کو حضرت عثمان نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا سعید بن العاص تھے۔ ان کے مجد و شرف کی دلیل اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ وفاتِ نبوی کے وقت ان کی عمر نو برس تھی، ایک مرتبہ یہ حضور کے پاس موجود تھے کہ ایک عورت آئی اور بولی میں یہ چادر اکرم العرب کو نذر کرنا چاہتی ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن العاص کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اس بچہ کو دیدو۔ یہ اکرم العرب ہے" یہ ارشاد حق بنیاد اس بچہ کے طالع مسعود کا حتمی اعلان تھا۔ چنانچہ علم و فضل شجاعت و شہامت، فہم و تدبر، جود و سخا اور صلاح و ورع کے اعتبار سے سعید بن العاص اپنے عہد کی ایک مثالی اور نمایاں شخصیت تھے۔ اسماء الرجال کی کتابیں ان کے فضائل و مناقب کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ابن حبیب بغدادی کتاب المحبر میں لکھتے ہیں:- وکان ینحر فی کل یوم جزوراً ویطعمھا الناس، خطابت کی شان یہ تھی کہ جاحظ کا بیان ہے، کان من الخطباء المبرزین لم یوجد کتحبیرہ تحبیرٌ ولا کارتجالہٖ ارتجالٌ۔ علم و فضل اور ثقاہت کا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے جمع و تدوین کے لئے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی سعید بن العاص اُس کے ممبر تھے، اور زبان و محاورہ کی نگرانی ان کے سپرد تھی، حضرت عثمان نے اپنی صاحبزادی ام عمرو کو ان کے نکاح میں دے دیا اور ۳۰ھ میں ولید بن عقبہ کو معزول کیا گیا تو ان کی جگہ سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد سعید بن العاص نے متعدد اہم فتوحات کیں، دور رس مالی اور اقتصادی اصلاحات کیں اور رفاہِ عامہ کے بعض اہم کام کئے جو تاریخ میں یادگار رہیں۔

حضرت عثمان کے رشتہ دار گورنروں میں بدنام ولید بن عقبہ ہے، اگرچہ ہم نے اپنی کتاب "عثمان ذوالنورین" میں بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ ان پر بادہ نوشی کا الزام محض تہمت ہے اور حضرت عثمان نے اُن کو حضرت علی کے ہاتھوں شرب خمر کی جو سزا دلوائی تھی تو اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس طرح ایک فتنہ کا سدباب کرنا اُن کے پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر تھا۔ یا اہل کوفہ، فتوح البلدان میں بلاذری کے بیان کے مطابق جن کی شرارت پسندی سے حضرت عمر فاروق بھی سخت نالاں اور شکوہ سنج تھے، انھوں نے سازش کرکے ولید بن عقبہ کے خلاف جھوٹی شہادت اس طرح بہم پہونچائی کہ حضرت عثمان کے لئے اجرائے حد امرناگزیر ہوگیا، تاہم ذاتی اوصاف وکمالات کے اعتبار سے ولید بن عقبہ بھی اس شان کے اموی تھے کہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بعض قبائل کا عامل یعنی محصل زکوٰۃ مقرر کیا تھا۔ ولید بن عقبہ نے یہ خدمت جس ہوش وگوش اور امانت ودیانت سے انجام دی اس کا یہ اثر تھا کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں بھی وہ متعدد مناصب پر فائز رہے، اس شہرت اور مقبولیت کے باعث جب ۲۵ھ میں حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہل کوفہ نے ان کا بہت پاک خیرمقدم کیا، طبری کا بیان ہے: فقدم الکوفۃ فکان احب الناس والرفقھم فکان بذالک خمس سنین ولیس علی دارہ باب۔ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کان من رجال قریش ظرفاً وحلماً وشجاعۃ وادباً وکان من الشعراء المطبوعین۔ ولید بن عقبہ ۹ھ سے ۲۹ھ تک یعنی مسلسل بیس برس عہد نبوی، عہد شیخین اور خلافت عثمانی کے پانچ برسوں میں مختلف عہدوں اور منصبوں پر نیک نامی سے کام کرتے رہے، اس کے بعد اچانک ان کے خلاف اہل کوفہ میں شورش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کی صدائے بازگشت دور دور سنائی دیتی ہے، یہ سب کچھ کیا ہے؟

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی۔

بہرحال آپ نے دیکھا! یہ ہیں وہ حضرت عثمان کے رشتہ دار گورنر اور قائدین جنگ جن کے بدنام اور قرابت کی وجہ سے حضرت عثمان کو مطعون کرنے میں مخالفین نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان حضرات کو اہم ذمہ داری کے عہدوں پر مقرر کرنا سیرت شیخین سے انحراف ہے؟ اگر اس زمانہ میں حضرت عمر ہوتے تو کیا وہ خود ان حضرات سے یہ خدمت نہ لیتے؟

اقربا نوازی کے اعتراض کے علاوہ حضرت عثمان پر ایک بڑا اعتراض احداث فی الدین کا بھی تھا۔ مثلاً ہرمزان کے قتل پر حضرت عثمان نے حضرت علی کی سخت مخالفت کے باوجود عبداللہ بن عمر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصاص نہیں لیا اور صرف دیت پر اکتفا کیا اور وہ دیت بھی خود ادا کی، منیٰ میں بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھیں، گھوڑوں پر زکوٰۃ لگائی، منبر کی جس سیڑھی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے شیخین کے طریقہ کے خلاف حضرت عثمان نے خود اس پر بیٹھنا شروع کیا، جمعہ کی نماز میں دوسری اذان کا اضافہ کیا، حمی سرکاری جانوروں کے لئے مخصوص کی، منیٰ میں خیمہ لگایا، دارالامارہ کو بہت وسیع اور شاندار بنایا، شرب نبیذ پر حد جاری کی۔ اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہ مقرر کی، مسجد نبوی میں توسیع کے ساتھ تزئین کاری بھی کی، وغیرہ وغیرہ!

ہم نے ان پر اور ان جیسے دوسرے اعتراضات پر اپنی کتاب میں اصولِ شریعت، فقہ اور تاریخ کی روشنی میں مفصل بحث کی ہے، یہاں اس کے اعادہ کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش! البتہ مقالہ کے موضوع کی مناسبت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مذکورۂ بالا امور احداث فی الدین ہیں تو حضرت عمر کے اجتہادات کثیرہ میں سے ایک ایک اجتہاد احداث فی الدین ہے، اور اگر نہیں ہے تو جو تاویل اور توجیہ اُس کے لئے کی جائیں گی وہ امور زیر بحث کے لئے بھی روا ہوگی، خلافت عثمانی کے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت اسلام دورِ بداوت سے نکل کر دورِ حضارت میں داخل ہو رہا تھا۔ اگرچہ حضرت عمر طبعاً متنبی کے شعر:-

حسن الحضارۃ مجلوبٌ بتطریۃٍ وفی البداوۃِ حسنٌ غیر مجلوب

کے مطابق بداوت کی طرف مائل تھے اور حضرت عثمان دورِ حضارت کے مقتضیات و مطالبات کا لحاظ و پاس رکھنے کے باعث عروسِ جمیل کے لئے لباسِ حریر پسند کرتے تھے، اس ایک فرق کے علاوہ بنیادی طور پر حضرت عثمان اسوۂ فاروق کی پابندی کرتے اور اُس میں تغیر و تبدل پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو آپ نے حضرت عمر کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، حضرت عمرو بن العاص مصر کے اور امیر معاویہ شام کے گورنر تھے۔ حضرت عثمان نے ان دونوں کو بھی اُن کی جگہوں پر رکھا۔ شام میں جو عمال حضرت عمر کے مقرر کردہ تھے حضرت عثمان نے اُن سب کو اسی طرح بحال رکھا لیکن جوں جوں حالات بدلتے گئے آپ ان میں تبدیلی پیدا کرتے گئے، مثلاً عمیر بن سعد ایک علاقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں زخمی ہو کر سخت بیمار اور صاحب فراش ہو گئے اور انہوں نے استعفا دے دیا تو حضرت عثمان نے ان کو سبکدوش کر کے امیر معاویہ کو عمیر بن سعد کے منصب کا انچارج بنا دیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن علقمۃ الکنانی جو فلسطین کے عامل تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمان نے فلسطین کا چارج بھی امیر معاویہ کو منتقل کر دیا۔ غرض کہ اس طرح شدہ شدہ شام کے نظم و نسق میں تبدیلی پیدا ہوتی رہی، یہاں تک کہ خلافتِ فاروقی میں شام دو حصّوں میں تقسیم تھا اور ہر حصہ کا چیف ایڈمنسٹریٹر الگ تھا جن میں سے ایک امیر معاویہ تھے بعد ازاں جب انتظامی مصلحت سے حضرت عثمان نے صوبوں کی تشکیل جدید کی تو شام کے دونوں حصوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا اور امیر معاویہ اس پورے صوبہ کے گورنر مقرر ہو گئے" تو کیا کوئی شخص اس تبدیلی کو اسوۂ فاروقی کی خلاف ورزی کہہ سکتا ہے ؟

طبری نے ۲۸ھ کے واقعات کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس معاملہ میں حضرت کی پالیسی اور اُن کے نقطۂ نظر کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان نے امیر معاویہ اور تمام عمال کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں تحریر تھا: اما بعد فقوموا علی ما فارقتم علیہ عمر، ولا تبدلوا، ومھما اشکل علیکم فردوہ الینا نجمع علیہ الامۃ ثم نردہ علیکم وایاکم ان تغیروا۔ فانی لست قابلاً منکم الا ما کان عمر یقبل، غور کیجئے اس مختصر مراسلہ سے تین اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) یہ مراسلہ ۲۸ھ میں بھیجا گیا یعنی حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے پانچویں برس۔

(۲) حضرت عثمان سخت تاکید کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے آئینِ نظم و نسق کی پابندی کی جائے۔ اور اُس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا جائے۔

(۳) تیسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ امیر المومنین فرماتے ہیں: "اگر تم لوگوں کو حضرت عمر کے آئین پر عمل کرنے میں کوئی دشواری ہو تو ہم سے رجوع کرو" ہم اُس معاملہ کو امت کے سامنے برائے مشورہ پیش کریں گے۔ پھر اُمت کا جو متفقہ فیصلہ ہو گا اُس سے تم کو مطلع کریں گے۔ اس تیسری شق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امیر المومنین حضرت عثمان خود سر اور خود رائے ہرگز نہیں تھے، جیسا کہ اُن کے مخالفین کہتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ان کا مزاج شیخین کی طرح سر تا سر جمہوری تھا اور اس لئے وہ جو کام کرتے تھے امت کی رائے اور مشورے سے کرتے تھے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی پالیسی نقطۂ نظر اور طریق حکومت بالکل وہی تھا جو حضرات شیخین کا تھا۔ اور خلافت کے بیچ میں اس وقت تک کوئی فرق اور انحراف پیدا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انساب الاشراف بلاذری میں ہے: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے فرمایا۔ میرے پاس حضرت عثمان پر طعن کرنے والوں کی ایک جماعت آئی تو میں نے کہا: "وہی کام حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر نے کئے تو کسی نے لب کشائی نہیں کی، تو پھر حضرت عثمان پر اعتراض کیوں کرتے ہو۔ میرے یہ کہنے پر یہ لوگ لاجواب ہو گئے اور کھسیانے ہو کر چلے گئے" اسی قسم کا ایک مقولہ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں حضرت عبداللہ بن عمر کا نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ لقد عیبت علی عثمان اشیاء لو فعلها عمر ما عیبت علیه :-

اب سوال ہو سکتا ہے کہ جب یہ معاملہ اس درجہ واضح اور صاف ہے تو پھر حضرت علی معترضین کے نمائندہ کی حیثیت میں کیوں نظر آتے ہیں؟ جواباً گذارش ہے کہ ہم نے اپنی کتاب میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے تعلقات اور ان کی باہم شکر رنجیوں اور ان کے اسباب پر مفصل گفتگو کی ہے، یہاں مختصراً یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی غلط اور بے بنیاد ہو، اگر اسے بار بار شدومد سے لوگ بیان کریں تو اچھے اچھے سمجھدار اور عقلمند اشخاص اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اسے سچ سمجھنے لگتے ہیں، چنانچہ واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت علی معترضین کی باتوں سے غیر متاثر نہیں تھے، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان کا ادب و احترام ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جو مدد وہ اُن کی کر سکتے تھے اس سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ خوارج اور شیعہ کے متعلق یہ مشہور رہا ہے کہ یہ دونوں طبقے واقعۂ تحکیم کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ یہ دونوں اس واقعہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت علی نے خوارج کے طبقہ کو بروقت نہیں پہچانا۔ بعد میں جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو انہوں نے اس طبقہ کو پہچانا اور نہروان میں نہایت سخت جنگ کر کے ان کی قوت کا خاتمہ کیا۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت حضرت علی کو محسوس ہوا کہ حضرت عثمان کو جو واقعات پیش آئے وہ اُن کو بھی آنے والے تھے اسی بنا پر اگر اس وقت بیدار مغزی سے کام لیکر گربہ کشتن بروز اول پر عمل کیا جاتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا چنانچہ البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر میں ہے: حضرت علی نے ایک مرتبہ فرمایا، "اُکِلْتُ یومَ اُکل الثورُ الابیض"۔ یہ جملہ عربی کا محاورہ اور ضرب المثل ہے، زمخشری نے المستقصٰی فی امثال العرب میں اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ کسی جنگل میں تین بیل تین مختلف رنگوں کے تھے، سپید سیاہ اور سرخ، ایک شیر ان کے پڑوس میں کہیں رہتا تھا۔ اس نے ان تینوں بیلوں کو ہڑپ کر جانے کا پروگرام بنالیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی حکمتِ عملی سے کام لیا۔ چنانچہ اس نے پہلے سیاہ اور سُرخ بیلوں کو سفید بیل کے خلاف اُکسایا اور اسے چٹ کر گیا۔ پھر سرخ بیل کو سیاہ بیل کے خلاف اُکسایا اور اسے بھی ہڑپ کر گیا۔ اب سُرخ بیل اکیلا رہ گیا تھا۔ اُس کو لقمہ بنانا کیا مشکل تھا۔ آخر کار اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس بنا پر حضرت علی کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ "درحقیقت میں بھی اسی دن قتل کر دیا گیا تھا جس دن حضرت عثمان شہید کئے گئے"۔

بہرحال جس فتنہ کے دروازہ کو عثمان ذوالنورین نے اپنا خون دیکر کھُلنے نہ دیا تھا اب وہ وا ہو چکا تھا اور ساری امت کو اسی خون کا تاوان بھگتنا تھا۔ چنانچہ شہادت حضرت عثمان کے چند ماہ بعد جنگ جمل ہوئی۔ پھر صفین کی جنگ ہوئی، نہروان میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ جس میں مؤرخین کے محتاط اندازہ کے مطابق مجموعی طور پر کم وبیش پونے دو لاکھ مسلمان کھیت رہے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، عمار بن یاسر شہید ہوئے۔ اور آخر میں جو جام شہادت حضرت عثمان نے نوش کیا تھا وہ حضرت علی اور ان کے دونوں جگر گوشوں کو بھی نوش کرنا پڑا۔ پھر یزید کی حکومت میں واقعہ حرا پیش آیا۔ اس نہایت بھیانک واقعہ میں جب اہل مدینہ کا قتل ہو رہا تھا تو ابن عبد ربہ کی العقد الفرید کی روایت کے مطابق کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا، "حضرت یہ کیا ہو رہا ہے؟" فرمایا: "یہ عثمان کا خون رنگ لا رہا ہے۔ یقتلهم لعثمان ورب الکعبۃ"

© rasailojaraid.com